© rasailojaraid.com

اسلامی معاشرت اور طلاق☆

سید ابوالاعلیٰ مودودی

طلاق کے احکام سورۂ بقرہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں۔ یہ سورت نازل کر کے بہت سی اُن غلطیوں کی اصلاح کی گئی جو لوگ طلاق کے معاملے میں بالعموم کرنے لگے تھے۔

[اس سورۃ کے احکام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن ہدایات کو پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے جو طلاق اور عدّت کے متعلّق اس سے پہلے قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہیں: ''طلاق دو بار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے رخصت کر دیا جائے'' (البقرہ ۲:۲۲۹)۔ ''اور مطلقہ عورتیں (طلاق کے بعد) تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں...... اور اُن کے شوہر اس مدّت میں اُن کو اپنی (زوجیت) میں واپس لے لینے کے حق دار ہیں اگر وہ اصلاح پر آمادہ ہوں'' (البقرہ ۲:۲۲۸)۔ ''پھر اگر وہ (تیسری بار) اُس کو طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اُس کے لیے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ اس عورت کا نکاح کسی اور سے ہو جائے'' (البقرہ ۲:۲۳۰)۔ ''جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدّت لازم نہیں ہے جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو گے'' (الاحزاب ۳۳:۴۹)۔ ''اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے دس دن تک اپنے آپ کو روکے رکھیں'' (البقرہ ۲:۲۳۴)۔

☆ یہ تحریر سورۂ طلاق کے اس درسِ قرآن پر مبنی ہے جو سید مودودیؒ نے یکم اور ۸/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو مسجد مبارک، لاہور میں ہفتہ وار درس کے تحت دیا تھا۔ اس میں فہم قرآن کے حوالے سے تفہیم القرآن سے مختلف نکات سامنے آئے ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہ درس مرتب کیا گیا ہے۔ (کیسٹ سے تدوین: حفیظ الرحمٰن احسن)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سورۂ طلاق ان قواعد میں سے کسی قاعدے کو منسوخ کرنے یا اُس میں ترمیم کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے، بلکہ دو مقاصد کے لیے نازل ہوئی ہے: ایک یہ کہ مرد کو طلاق کا جو اختیار دیا گیا ہے اسے استعمال کرنے کے ایسے حکیمانہ طریقے بتائے جن سے حتی الامکان علیحدگی کی نوبت نہ آنے پائے، اور علیحدگی ہو تو بدرجۂ آخر ایسی حالت میں ہو، جب کہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے احکام کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دے کر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبے کی تکمیل کر دی جائے۔ (دیکھیے: تفہیم القرآن، جلد۵، سورۂ طلاق، ص۵۵۰-۵۵۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡھُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَاَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡھُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَلَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ○ (الطلاق ۶۵:۱) اے نبیؐ! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُنھیں اُن کی عدّت کے لیے طلاق دیا کرو، اور عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے۔ (زمانۂ عدت میں) نہ تم اُنھیں اُن کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، اِلّا یہ کہ وہ کسی صریح بُرائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اُوپر خود ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کر دے۔

یہ سورۂ طلاق کی پہلی آیت ہے۔ اس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو، تو اُن کی عدّت کے لیے طلاق دو۔ عدّت کہتے ہیں اس مدت کو جو طلاق کے بعد، یا شوہر کی وفات کے بعد، اس غرض کے لیے مقرر کی گئی ہے کہ اس کے دوران میں عورت دوسرا نکاح نہ کرے۔ اس مدت کو شریعت کی اصطلاح میں عدّت کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''عدّت کے لیے طلاق دو'' کے دو معنی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ ایامِ ماہواری میں طلاق مت دو بلکہ ایسی حالت میں طلاق دو، جب کہ وہ پاک ہوں۔ دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ عدّت کے دوران میں رُجوع کی گنجایش رکھتے ہوئے طلاق دو۔ یہ دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینی ہو تو ایامِ ماہواری میں طلاق نہ دی جائے بلکہ جب وہ ایام گزر جائیں تو حالتِ طُہر میں طلاق دی جائے، اگر طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دی، جب کہ وہ حالتِ حیض میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اس طرح (طلاق دینے کا) حکم نہیں دیا ہے، بلکہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ طلاق حالتِ طُہر میں دی جائے۔ یہ مضمون کہ ''اُن کو اُن کی عدّت کے لیے طلاق دو'' اس بات سے نکلتا ہے کہ عدّت کا شمار طُہر سے ہوتا ہے، (ایامِ) حیض سے نہیں ہوتا۔ اس لیے جب یہ فرمایا کہ ان کی عدّت کے لیے ان کو طلاق دو تو آپ سے آپ یہ بات نکل آئی کہ طلاق حالتِ طُہر میں دینی چاہیے نہ کہ حالتِ حیض میں۔

طلاق میں حکمت کا پہلو

اس بات پر غور کیجیے کہ اس حکم کے اندر کتنی بڑی حکمت ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ ایامِ ماہواری میں عورت اور اس کے شوہر کے درمیان ایک طرح کی دیوار حائل ہوتی ہے۔ اگر عورت حالتِ طُہر میں ہو تو فریقین کو ایک دوسرے کی طرف رغبت ہوگی۔ اس صورت میں طبیعت طلاق کی طرف کم مائل ہوگی، اِلّا یہ کہ نفرت اور ناراضی کا کوئی بڑا گہرا سبب ہو۔ لیکن ایامِ ماہواری میں جب شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے دُور ہوتے ہیں، اس زمانے میں اگر شوہر کے دل میں بیوی کی طرف سے کوئی کراہت یا نفرت یا اور اس قسم کی کوئی حالت پیدا ہو تو عورت کے پاس اس نفرت کو دُور کرنے کا کوئی مؤثر چارۂ کار نہیں ہوتا۔ اس لیے فرمایا کہ اگر طلاق دینی ہی ہو تو حالتِ طُہر میں دو، جس میں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان آسانی سے موافقت پیدا ہونے کی سبیل نکل سکتی ہے۔

دوسری اس سے بھی زیادہ گہری حکمت اس معاملے میں یہ ہے کہ ایامِ ماہواری میں بالعموم عورت کی طبیعت میں غصہ، چڑچڑاپن اور ہٹ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ایک طبّی حقیقت ہے، حتیٰ کہ موجودہ زمانے کے ڈاکٹر تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو تو پہلے اُس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبی معائنہ کر کے یہ تحقیق کر لی جائے کہ اس زمانے میں کہیں وہ ایامِ ماہواری میں تو نہیں تھی کیونکہ بعض اوقات اس زمانے میں اس کو اپنے اُوپر قابو نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں موجودہ زمانے کی جتنی سائنٹی فک تحقیقات ہیں وہ سب اس پر متفق ہیں کہ ایامِ ماہواری میں عورت معمول کی حالت میں (normal) نہیں ہوتی۔ یہ ایک غیر طبعی (abnormal) حالت ہوتی ہے۔ اس حالت میں اگر عورت، مثلاً موٹر چلائے تو غلطی کر جائے گی، ٹائپ کرے تو غلطی کر جائے گی۔ گویا اس حالت میں اس سے بہت سے کاموں کے اندر غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ ان ایام میں بعض اوقات نہایت شریف اور نیک عورتوں سے چوری کا فعل سرزد ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز کو اچھی نگاہ سے دیکھ لیں، وہ چیز اُن کو پسند آ جائے تو بعض اوقات اس کو اُڑا لیتی ہیں۔ یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان ایام میں ان کو اپنے اُوپر قابو نہیں ہوتا۔ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر جائے جس سے میاں بیوی کے درمیان کوئی نزاع اور بُعد پیدا ہو جائے۔ اس طرح اگر ایک طرف تو یہ صورت ہو، اور دوسری طرف یہ صورت ہو کہ جو چیز ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رکھتی اور ایک دوسرے کی طرف راغب کرتی ہے وہ اس دوران میں موجود نہ ہو، تو اس بنا پر حکم دیا گیا کہ حالتِ حیض میں کبھی عورت کو طلاق نہ دو۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

اس حکم میں دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ طلاق عدّت کی گنجایش رکھتے ہوئے دی جائے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے کر نکاح کا جھٹکا مت کر دو، بلکہ اتنی گنجایش رکھو کہ عدّت کے دوران میں رُجوع کر سکو۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق دے تو عدّت کے دوران میں وہ جس وقت چاہے رُجوع کر سکتا ہے۔ اگر وہ دو طلاق دے تب بھی عدت کے دوران میں وہ رُجوع کر سکتا ہے۔ اگر وہ تین طلاق دے دے تو پھر رُجوع کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ اس طرح طلاقِ مغلظ ہو جائے گی۔ پھر بیوی اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی، اِلّا یہ کہ اس کا کسی اور مرد سے نکاح ہو اور وہ شوہر اس کو اپنی مرضی سے طلاق دے دے۔ تب کہیں جا کر اگر یہ پہلے میاں بیوی چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اس لیے شریعت کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طلاق دے بھی تو اس کو کم سے کم تین مہینے کی مدت ایسی مل جائے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں وہ بار بار اچھی طرح غور کر سکتا ہے کہ آیا اسے اس عورت کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا ہے یا اس سے نباہ کی کوئی صورت ممکن ہے۔ اس دوران میں عورت کے لیے بھی یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح اپنے شوہر کو راضی اور مطمئن کر لے کہ اب تک جو وجوہ نااتفاقی کے تھے آیندہ وہ نہیں ہوں گے۔

یہ بات بھی بے حد اہم ہے کہ طلاق کا لفظ آدمی کو زبان سے نکالنا ہی اس وقت چاہیے، جب کہ وہ واقعتاً اس کو چھوڑنے کا ارادہ اور فیصلہ کر چکا ہو، ورنہ طلاق دینا کوئی کھیل نہیں۔ یہ بات اس کو اچھی طرح یاد رہنی چاہیے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت کو تین مرتبہ طلاق دینے کا حق استعمال کر لیتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو جائے گی۔ اس وجہ سے ایک آدمی طلاق کا لفظ زبان سے نکالتے ہوئے دس مرتبہ اس پر سوچ لے کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ سلامتی اس میں ہے کہ اگر وہ یہ لفظ زبان سے نکالے بھی تو ایک مرتبہ نکالے تاکہ اس کے بعد اگر عدّت گزر بھی جائے، یا دو طلاق کی وجہ سے طلاق بائن ہو جائے اور وہ میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے حلالہ وغیرہ کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ چنانچہ دو مرتبہ بھی اگر آدمی نے طلاق دی ہو تو عدّت کے دوران میں رُجوع بھی ہو سکتا ہے اور اگر عدّت گزر جائے تو دوبارہ نکاح بھی ہو سکتا ہے، لیکن تین مرتبہ طلاق دینے کے بعد قصہ ختم ہو جاتا ہے، اور رُجوع کی کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ پھر لوگ ایسے مفتی تلاش کرتے پھرتے ہیں جو ان کے لیے بغیر تحلیل (حلالہ) کے رُجوع کی گنجایش پیدا کر دیں، یا پھر حلالہ کی ایسی شکلیں تجویز کریں جو شریعت کے ساتھ کھیل کرنے سے کم نہیں ہوتیں، اور جن کا کوئی اخلاقی یا شرعی جواز نہیں ہوتا۔ شریعت میں ایسی سازشی تحلیل کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

رسولؐ اللہ کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین مرتبہ طلاق دے دی تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے، جب کہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔ گویا یہ فعل اس قدر بُرا فعل ہے کہ نبیؐ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اُٹھا کر فرمایا کہ کیا تم اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلنے لگے ہو درآں حالیکہ میں ابھی تمھارے درمیان موجود ہوں۔

حضرت عمرؓ اُس شخص کو مارتے تھے جو بیک وقت تین طلاق دیتا تھا اور دُرّے سے اس کی خبر لیتے تھے۔ یہ ایک طرح سے جرم ہے کہ آدمی ایک ہی وقت میں تین مرتبہ طلاق دے دے۔ قرآن مجید ہدایت دیتا ہے کہ اگر طلاق دو تو عدّت کے دوران میں رُجوع کی گنجایش رکھتے ہوئے دو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد فرمایا گیا: اَحْصُوا الْعِدَّةَ (۶۵:۱) ’’عدّت کا شمار کرو‘‘، یعنی جس روز طلاق دی جائے وہ تاریخ نوٹ کر لی جائے اور اس کو یاد رکھا جائے۔ میاں اور بیوی دونوں یاد رکھیں تاکہ عدّت کا ٹھیک وقت پر آغاز ہو اور ٹھیک وقت پر ختم ہو۔ مثلاً فرض کیجیے عدّت ختم ہونے میں تین دن رہ گئے ہیں تو شوہر آخری مرتبہ سوچ لے کہ اس بیوی کو رکھنا ہے یا رخصت کرنا ہے۔ برابر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اب اتنا وقت باقی ہے۔ اس دوران میں عورت بھی سوچ لے کہ آیا مجھے اُس شخص کے گھر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونا ہے، اور مرد بھی سوچ لے کہ کیا مجھے اُس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا ہے۔ اس طرح آخر وقت تک اس کا خیال رکھا جائے، کیونکہ عدّت کے خاتمے سے پہلے کسی وقت بھی رُجوع ہو سکتا ہے۔ ایک رات یا چند گھنٹے پہلے بھی رُجوع ہو سکتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (۶۵:۱)، ’’اور ڈرو اللہ سے جو تمھارا رب ہے‘‘۔ یعنی ان چیزوں کو کھیل نہ بناؤ۔ یہ بڑے سنجیدہ معاملات ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو یہ کوئی کھیل نہیں ہے بلکہ بڑا نازک اور اہم کام ہے۔ اگر زوجین کے بچے ہوں تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کے مستقبل کو ہمیشہ کے لیے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اگر بچے نہیں ہیں تب بھی اس مرد کے لیے دوبارہ نکاح آسان کام نہیں ہوتا، اور اسی طرح عورت کے لیے بھی بڑی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس شخص نے طلاق دی ہو اس کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں فوراً یہ شک پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی جھگڑالو معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ ایک بیوی کو چھوڑ چکا ہے تو کوئی دوسرا شخص اس کو اپنی بیٹی دیتے ہوئے گھبرائے گا۔ کوئی دوسری عورت اس سے نکاح کرتے ہوئے گھبرائے گی کہ معلوم نہیں یہ کس مزاج کا آدمی ہے۔ یہ ایک عورت کو چھوڑ چکا ہے تو کیا خبر مجھے بھی چھوڑ دے۔ عورت کے متعلّق بھی ہزار قسم کی بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو نہ آدمی کے لیے دوبارہ نکاح کرنا آسان ہوتا ہے اور نہ اس عورت کے لیے آسان ہوتا ہے۔ اس وجہ سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور ان چیزوں کو کھیل مت بناؤ۔ اور اگر کسی کو طلاق دینی ہی ہو تو ___ جیسا کہ فرمایا کہ: عدّت کے دوران میں رُجوع کی گنجایش رکھتے ہوئے دو اور عدّت کا شمار ملحوظ رکھو۔

طلاق بائن کے باوجود خاوند کے گھر رہنا

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (۶۵:۱)، اور اُن کو گھروں سے نہ نکالو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نہ وہ خود نکلیں۔

مطلب یہ ہے کہ عدّت کا زمانہ بیوی شوہر کے گھر میں ہی گزارے۔ طلاق دے کر اس کو رخصت نہ کر دیا جائے۔ دونوں اسی گھر میں رہیں تاکہ اگر طبیعت میں ذرہ برابر بھی میلان باقی ہے تو اس مدت کے اندر وہ رُجوع کرلیں۔ رخصت کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے رُجوع کے امکانات کو خود ختم کر دیا۔ اور اگر عورت خود نکل گئی تو بھی نتیجہ ظاہر ہے، اور یہ بات دونوں کے لیے حماقت اور عاقبت نااندیشی کی بات ہے۔

اس لیے یہ ہدایت کی گئی کہ طلاق کے بعد نہ عورت خود گھر سے نکلے اور نہ تم اس کو نکالو، بلکہ اس دوران میں اسے اپنے گھر میں ہی رکھو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر طلاق بائن ہو جائے تب بھی عورت گھر سے نہ جائے، اگرچہ اس دوران میں اس کا نفقہ شوہر کے ذمّے نہیں ہوتا۔ لیکن اگر طلاق رجعی ہے، یعنی جس کے اندر رُجوع کی گنجایش ہے، تو جس زمانے میں عورت عدّت شوہر کے گھر میں گزار رہی ہو تو اس زمانے کا اس کا نان نفقہ شوہر کے ذمے ہے۔

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ط (۶۵:۱)، اِلا یہ کہ وہ کسی صریح بُرائی کی مرتکب ہوں۔

عورت کو گھر سے نکالنا صرف اس صورت میں صحیح ہے، جب کہ وہ کسی کھلی فحش حرکت کا اِرتکاب کرے۔ کھلی فحش حرکت کا اِطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک تو ایسی سخت بدزبانی، جو ناقابلِ برداشت ہو اور دوسرے بدکاری۔ بدکاری ضروری نہیں کہ وہ عملی ہو بلکہ اگر اس سے بداخلاقی کسی ایسی شکل میں ظاہر ہو جس سے اس کے شوہر کے دل میں اس کے لیے دوبارہ میلان کی گنجایش ختم ہو جائے یا اس کی وفا پر اعتماد باقی نہ رہے۔ ان دو چیزوں کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر یہ اجازت ہو کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد گھر سے رخصت کر دیا جائے۔

حدود اللہ سے تجاوز، اپنے اُوپر ظلم

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط (۶۵:۱)، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اُوپر خود ظلم کرے گا۔

دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے یہ حدیں تمھاری بھلائی کے لیے مقرر کی ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمھاری مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر حکیمانہ حدود کا تعین کیا ہے تاکہ تمھاری زندگیاں خراب نہ ہوں۔ اب اگر تم اِن حدود کو توڑتے ہو تو اپنا ہی کچھ بگاڑتے ہو، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتے۔ اللہ کی حدود کو توڑنے والا اللہ کا کیا نقصان کرتا ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص حفظانِ صحت کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے جن سے اس کی صحت خراب ہو جائے تو سوال یہ ہے کہ اس نے اللہ کا یا کسی کا کیا نقصان کیا، اس نے اپنی ہی صحت بگاڑی اور اپنا ہی نقصان کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو حدیں انسان کی معاشرتی زندگی کے لیے مقرر کی ہیں وہ اس کی بھلائی کے لیے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

اب آپ دیکھیے کہ اگر کوئی شخص غصّے میں آکر بیوی کو تین طلاق دیتا ہے تو ایک غلط کام کرتا ہے جس کا نقصان اسی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ لوگوں نے بیوی سے لڑائی جھگڑے کا مطلب لازمی طور پر یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب دونوں کے درمیان بات بگڑے تو ایک دفعہ تو طلاق کا لفظ زبان پر آئے گا ہی! یعنی لڑائی کی اور کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ انسان بُرا بھلا بھی کہہ سکتا ہے یا کسی اور طریقے سے بھی اپنا غصہ نکال سکتا ہے لیکن لوگوں کے نزدیک لڑائی کے معنی ہی گویا یہ ہوگئے ہیں کہ چھوٹتے ہی طلاق کے الفاظ بول دیے جائیں۔ اوّل تو یہی حماقت ہے، اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک دفعہ نہیں بلکہ بیک وقت تین دفعہ طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر طلاق کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ تو ہزار ہزار طلاق دے ڈالتے ہیں۔ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہزار مرتبہ طلاق دی تو حضوؐر نے فرمایا کہ تین تو تیری بیوی کے اُوپر پڑگئیں باقی جتنی ہیں وہ جس پر چاہے تقسیم کر دے۔ اس طرح کی جو احمقانہ حرکتیں ہیں اُن سے خدا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، آدمی اپنا ہی گھر بگاڑتا ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لوگ غصّے میں آکر تین طلاق دے بیٹھتے ہیں اور پھر اس کے بعد پوچھتے پھرتے ہیں کہ بچاؤ کی کوئی صورت ہے کہ نہیں۔ خدا کے بندے، اگر تمھیں پچھتانا ہی تھا تو کس احمق نے تمھیں یہ کہا تھا کہ تین مرتبہ طلاق دو۔ جو کام تین طلاق سے چلتا ہے وہی ایک سے بھی چلتا ہے۔ اگر ایک آدمی عورت کو چھوڑنا ہی چاہے تو ایک طلاق کا بھی وہی حاصل ہے جو تین طلاق کا ہے لیکن فائدہ یہ ہے کہ عدّت گزر جانے کے باوجود دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ لوگ تین طلاق دینے کے بعد پوچھتے پھرتے ہیں کہ اب بچنے کی کیا صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ چلو کسی اہل حدیث سے پوچھتے ہیں یا فلاں سے فتویٰ لیتے ہیں۔ اس سے بھی کام نہیں چلتا تو پھر حلالہ کرنے کے لیے لوگوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ یہ سب لغو باتیں ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی حدوں کو توڑتے ہیں، وہ اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں۔

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (۶۵:۱)، تُو نہیں جانتا، ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کردے (کوئی راستہ نکال دے)۔

اُوپر جو ہدایات دی گئی ہیں کہ عورت کو حالتِ حیض میں طلاق نہ دی جائے، عدت کی گنجایش رکھی جائے، اور طلاق دینے کے بعد عورت کو گھر سے نہ نکال دیا جائے، تو اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمھیں کیا خبر ہے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ملاپ اور صلح کی کوئی صورت پیدا کردے۔ اسی غرض کے لیے یہ حدود مقرر کی گئی ہیں کہ اگر صلح کی کوئی گنجایش ہو تو اس سے فائدہ اُٹھانا ممکن رہے۔

بھلے طریقے سے رخصت کرنا

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ (۶۵:۲-۳)، پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمے پر پہنچیں تو یا انھیں بھلے طریقے سے (اپنے نکاح میں) روک رکھو، یا بھلے طریقے پر اُن سے جدا ہو جاؤ۔ اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو تم میں سے صاحبِ عدل ہوں۔ اور (اے گواہ بننے والو) گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے ادا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کی تم لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے، ہر اُس شخص کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسا کرے، اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی بات یہ فرمائی کہ جب مطلقہ عورتیں اپنی عدّت کو پہنچیں تو یا اُن کو بھلے طریقے سے روک رکھو یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ عدّت کو پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ جب عدّت ختم ہونے کے قریب آئے تو اگر اُن کو روکنا چاہو تو بھلے آدمیوں کی طرح روک لو، یا رخصت کرنا چاہو تو بھلے آدمیوں کی طرح رخصت کر دو ___ یعنی کسی جھگڑے ٹنٹے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمھارا نباہ نہیں ہوتا تو ٹھیک ہے، تم نے طلاق دے دی ہے، تو اب ان کو بھلے طریقے سے رخصت کر دو، کسی لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر رکھنا ہے تو بھلے آدمیوں کی طرح رکھ لو۔

دوسرے الفاظ میں شریعت یہ بات سکھاتی ہے کہ آدمی کو دنیا میں ایک معقول انسان کی طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ کسی حالت میں بھی نامعقول آدمی کا سا رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر آدمی کسی سے نہیں نباہ سکتا ہے تو صاف کہہ دے کہ بھائی السلام علیکم، تمھارا راستہ الگ، ہمارا راستہ الگ۔ کسی طرح کی کھینچا تانی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص سے موافقت کرنا ممکن ہے تو پھر شریف آدمی کی طرح موافقت کر لی جائے۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ بات بڑھائی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ صبح تو ایک دوسرے کو بُری بھلی سنائی جارہی ہے اور شام کو گھل مل کے باتیں ہورہی ہیں، اور اگلے روز پھر وہی جھک جھک شروع ہو جائے۔ یہ بھلے آدمیوں کا کام نہیں ہے۔ اس طرح یہ بات سمجھائی گئی کہ عدّت کی مدت ختم ہونے سے پہلے آدمی اچھی طرح سوچ لے کہ بھئی اس عورت سے نباہ ہوسکتا ہے یا نہیں، یا ہم بھلے طریقے سے مل کر رہ سکتے ہیں یا نہیں، یہ فیصلہ کر لیجیے۔ اگر مل کر رہ سکتے ہیں تو فبہا، ورنہ علیحدگی کا فیصلہ کر کے بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (۶۵:۲)، ''اور جو تمھارے صاحبِ عدل آدمی ہوں ان میں سے دو کو گواہ بناؤ''۔ صاحبِ عدل سے مراد ہے نیک، معقول اور سچّا آدمی۔ گویا کسی اَیرے غیرے کو گواہ نہ بنایا جائے۔ گواہ بنانا ہے تو دو معقول شریف آدمیوں کو بنائیے۔ ان کے سامنے یہ بات واضح طور پر کہی جائے کہ آج میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اگر بعد میں رُجوع کرنے کا فیصلہ کرو تو اس پر پھر گواہ بنا لیجیے کہ مَیں رُجوع کر رہا ہوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے، اور اگر بعد میں کوئی قضیّہ پیدا ہو جائے تو شہادت قائم کرنے میں کوئی دقّت نہ ہو۔ اگر بالآخر رخصت کرنا ہے تو لوگوں سے کہہ دیجیے کہ آج عدّت ختم ہوئی اور میں اس عورت کو رخصت کر رہا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوّل تو اس طرح سے آیندہ چل کر جھگڑے کھڑے نہیں ہوتے، اور اگر کوئی جھگڑا پیدا بھی ہو تو دو ایسے راست باز اور قابلِ اعتماد آدمی ایسے موجود ہوں گے جو صحیح شہادت دے دیں گے اور جھگڑے کا خاتمہ ہو جائے گا۔

وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ (۲:۶۵)، اور شہادت کو ٹھیک ٹھیک قائم کرو اللہ کے لیے۔

شہادت کو ٹھیک ٹھیک قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو گواہ بنایا جا رہا ہے اس کو صحیح صحیح اطلاع دی جائے، کوئی غلط اطلاع نہ دی جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی نے آج طلاق دی ہے اور گواہی دو تین دن کے بعد قائم کر رہا ہے تو یہ بات غلط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر آدمی یہ کہے کہ گواہ رہو کہ میں نے بیوی کو طلاق دے دی ہے تو چونکہ ان دو تین دنوں کی وضاحت نہیں ہوگی، اس لیے گواہوں کا یہ کہنا کہ اس نے فلاں تاریخ کو طلاق دی ہے خلافِ واقعہ بات ہوگی، جب کہ وہ دو تین دن پہلے طلاق دے چکا تھا۔ اس لیے یہ طلاق دینے والے کی طرف سے شہادت کے قواعد کی خلاف ورزی ہوگی۔ اسی طرح جن کو گواہ بنایا جائے ان کی شہادت بھی خلافِ اصول ہوگی۔ اس لیے کہ ان کا بھی یہ کام ہے کہ وہ طلاق کی تاریخ کو ٹھیک ٹھیک یاد رکھیں اور جب ضرورت پیش آئے تو ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (۲:۶۵)، اس چیز کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے، تم میں ہر اُس شخص کو جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی خلاف ورزیاں کرتا ہے، اس کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ حرکتیں ایمان کے منافی ہیں کہ آدمی کہے کہ میں خدا کو خدا مانتا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ آخرت میں مجھے خدا کے سامنے جواب دہی کرنی ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور اس کی حدود کو توڑے تو یہ ایمان کے منافی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح ایمان رکھتا ہو تو اس کا یہ کام ہے کہ پھر ایمان داری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حدود کی پابندی کرے۔

پیچیدگیوں سے بچنے کا راستہ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (۲:۶۵)، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے زندگی بسر کرے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب آدمی اینچ پینچ کی باتیں کرتا ہے تو دراصل وہ بعض عملی پیچیدگیوں کے ڈر سے ایسا کرتا ہے۔ اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر میں نے ٹھیک ٹھیک بات کی تو میرے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی، جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ عدالت میں جا کر اس لیے جھوٹ بولتے ہیں کہ اگر ہم نے سچ بات کہی تو فلاں پیچیدگی پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح وہ عملاً حدود اللہ کو توڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے پیچیدگیوں سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔ اس لیے کسی قسم کی پیچیدگی اور اُلجھن کا خوف تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ سے بے خوف ہو کر اس کے حدود توڑنے پر اُتر آؤ۔ اگر عملاً کوئی اُلجھن پیدا بھی ہوگی تو اللہ کے ذمے یہ ہے کہ وہ اس سے نکلنے کا راستہ تمھارے لیے پیدا کر دے گا۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (۶۵:۳)، ''اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اس کا خیال بھی نہ گیا ہو''۔ یہ اشارہ ہے اس طرف کہ طلاق کے معاملے میں زیادہ تر پیچیدگیاں مالی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ نان نفقہ کا خرچ، مہر کا خرچ اور اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے آدمی بہت سی پیچیدگیاں اپنے لیے خود پیدا کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا یہ گیا کہ کسی قسم کی مالی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود مت توڑو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی جگہ سے دے گا جس طرف تمھارا خیال بھی نہیں گیا۔ جو ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے اس کو ایمان داری کے ساتھ اُٹھاؤ، اسے ٹھیک طرح سے ادا کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ اگر میں نے اس ذمہ داری کا بوجھ اُٹھا لیا تو میری مالی حالت خراب ہو جائے گی اور میں بڑی مشکل میں پڑ جاؤں گا۔ اس طرح سوچنا درست نہیں ہے۔ دینے والا اللہ ہے، آدمی کو اس کے بھروسے پر کام کرنا چاہیے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (۶۵:۳)، اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرے گا پھر اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

دوسرے الفاظ میں آدمی کا کام یہ ہے کہ جو قواعد اور قوانین اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں وہ اللہ کے بھروسے پر اس کی پوری پوری پابندی کرے۔ اگر کسی قسم کی مشکل پیدا ہونے کا خطرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسوس ہو رہا ہو تو کوئی پروا نہ کرے۔ اللہ پر بھروسا رکھے کہ اس نے جو قوانین اور قاعدے مقرر کیے ہیں وہ میری ہی بھلائی، مصلحت اور فائدے کے لیے ہیں۔ اس لیے میرا یہ کام ہے کہ میں ان کی پابندی کروں اور باقی معاملہ اللہ پر چھوڑ دوں۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط ''اللہ کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتا ہے''۔ یعنی اللہ کا فیصلہ تمھاری کسی تدبیر سے ٹل نہیں جائے گا۔ اگر کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اللہ کو تمھیں کسی نقصان میں ڈالنا ہو تو وہ ڈال کر رہے گا، اور دراصل وہ تمھاری بہتری کے لیے ہوگا۔ تم لاکھ تدبیریں اس کو ٹالنے کی کر دیکھو، اس کو نہیں ٹال سکو گے لیکن ہوگا یہ کہ تم نقصان بھی اُٹھاؤ گے اور خدا کے قوانین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کر کے گناہ گار بھی ہو گے۔

اگر ایک آدمی ایسی حالت میں نقصان اُٹھائے کہ وہ اللہ کے قوانین کی پوری پابندی کر رہا ہو تو وہ گنہگار تو نہ ہوا۔ نقصان اس کو ضرور ہوا لیکن نقصان وہ ہوا جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں پہلے سے طے تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک آدمی خدا کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے نقصان تو اُٹھاتا ہے لیکن گنہگار نہیں ہوتا، صرف نقصان اُٹھاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نقصان اس نے خدا کے قوانین کو توڑ کر اُٹھایا ہے تو گویا دوہرا نقصان اُٹھایا۔ یہاں بھی نقصان اُٹھایا اور آخرت میں بھی سزا پائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کرنا ہے اس کو وہ کر کے رہتا ہے۔ اس کے فیصلے تمھاری تدبیروں سے ٹلنے والے نہیں۔ اس لیے تمھارا کام ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اس کے احکام وہدایات کی پابندی کرنا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۶۵:۳)، ''اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک قدر مقرر کر رکھی ہے''۔ قدر کے معنی تقدیر کے بھی ہیں اور مقدار کے بھی۔ گویا اللہ کے سارے کام ایک قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر چیز کے لیے اللہ نے ایک تقدیر بھی مقرر کر رکھی ہے اور ہر چیز کی ایک مقدار بھی مقرر کر رکھی ہے، اور وہ اس کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ لا
وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ (۶۵:۴) اور تمھاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اُن کے معاملے میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو (تمھیں معلوم ہو کہ) اُن کی عدت تین مہینے ہے، اور یہی حکم اُن کا ہے جنھیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضعِ حمل ہو جائے اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔

عدت کے متعلق چونکہ سورۂ بقرہ میں بتایا گیا ہے کہ عدت کا شمار حیض کے حساب سے ہوگا، تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن عورتوں کو حیض نہ آیا ہو یا جن کو حیض آنا بند ہو چکا ہو ان کی عدت کس طرح شمار ہوگی؟ اس کا قانون یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسی عورتوں کے لیے یہ مدت تین مہینے ہوگی۔ اور یہ مدت ہلالی مہینے کے حساب سے ہوگی نہ کہ شمسی مہینے کے حساب سے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں شرعی قوانین کا معاملہ ہو، ان میں ہلالی مہینے شمار ہوتے ہیں نہ کہ شمسی۔ لہٰذا ایسی عورتوں کے معاملے میں عدت ہلالی مہینے کے حساب سے تین مہینے ہے۔

یہاں ایک اور بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کو حیض نہیں آیا ہے ان کی عدت کی مدت بھی بتا دی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت کے قانون کی رُو سے ایک ایسی لڑکی کا نکاح جائز ہے جس کو حیض ابھی نہ آیا ہو۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ زمانے میں فیملی لاز آرڈی ننس کے ذریعے سے جو قانون بنایا گیا ہے کہ فلاں عمر سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا، تو یہ صریح طور پر قرآن مجید کے حکم سے ٹکراتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایسی لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے لیکن یہ قانون کہتا ہے کہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد آخر اللہ کے قانون سے لڑائی کی اور کیا شکل باقی رہ جاتی ہے؟ پھر فرمایا: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط ''اور جو حاملہ عورتیں ہیں ان کی عدت وضعِ حمل ہے''۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ وضعِ حمل میں نو مہینے لگ جائیں یا طلاق دینے کے دوسرے ہی دن وضعِ حمل ہو جائے اس وقت عدت ختم ہو جائے گی۔ عورت نکاحِ ثانی کے لیے آزاد ہو جائے گی۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا، ''اور جو شخص اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے معاملات کو آسان کرتا ہے''۔ گویا کوئی پیچیدگی ایسی نہیں ہے جس سے آدمی کو واقعی سابقہ پیش آتا ہو اور اللہ نے اس سے نکلنے کا راستہ نہ بتایا ہو۔

اللہ سے ڈرنے کی حکمت

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ط وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَجۡرًا○ (۵:۶۵)، یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے، جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دُور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

اللہ سے ڈرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی میں جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اللہ ان سے بچ نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں آدمی ان غلطیوں میں مبتلا نہیں ہوتا جو اس کی حدود کو توڑنے کی صورت میں رُونما ہوتی ہیں: دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُکَفِّرۡ عَنۡهُ سَیِّاٰتِهٖ ''وہ اس کی برائیاں دُور کر دیتا ہے''۔

بُرائیاں دُور کرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر جو اخلاقی کمزوریاں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو دُور کر دیتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے دل میں اللہ کا خوف پیدا کرلیا، اس کی خرابیاں آپ سے آپ دُور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایک طرف اس کی خطائیں دُور ہوں گی اور دوسری طرف اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کرنے کے بعد آدمی کی اخلاقی تربیت بھی اِسی خوف کی بدولت شروع ہو جاتی ہے۔ جب بھی وہ کسی برائی کی طرف مائل ہوگا اس کو یاد آئے گا کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے اور ایک روز مجھے اسی کے حضور جانا ہے۔ اس احساس سے وہ برائی کے ارتکاب سے بچ جائے گا۔ اگر اس کے اندر کوئی بُری عادت راسخ ہو چکی ہے تو جب بھی اس سے بشری کمزوری کی بنا پر بلاارادہ اس کا صُدور ہو جائے گا تو رب کے حضور جواب دہی کا احساس آیندہ اس کو بچنے پر آمادہ کرے گا، اور متعدد بار اس کوتاہی میں مبتلا ہونے کے بعد بالآخر اس سے پوری طرح بچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندران ساری کوششوں کے باوجود، جو وہ تقویٰ کی بدولت اپنی اصلاح کے لیے کرتا ہے، اگر کچھ برائیاں رہ جائیں گی تو اللہ آخرت کے حساب سے اس کی ان برائیوں کو ساقط کر دے گا، کیونکہ اس نے دنیا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کی ہے۔ اس کے بعد اگر اس سے کچھ غلطیاں اور خطائیں سرزد ہوتی بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی اُن خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، اس کو معاف کر دے گا۔ چوتھا فائدہ اس کا یہ ہے کہ: یُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا، ''اور وہ اس کو بڑا اجر دے گا''۔ گویا اس کو اس بات کا اجرِ عظیم بھی دیا جائے گا کہ اس نے دنیا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزاری___ اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کتنے فوائد ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کے بیان کیے گئے ہیں۔

اس مقام پر نکاح و طلاق کے سلسلے میں اسلام کی حکمتِ تشریع کو ایک بار پھر سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ طلاق کو جائز ہونے کے باوجود ایک ناپسندیدہ فعل سمجھا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ شَیْئًا اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ ''اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا ہے جو طلاق سے بڑھ کر اسے ناپسند ہو'' (ابوداؤد، بحوالہ تفہیم القرآن، جلد۵، ص۵۵۲)۔ اس کی وجہ یہ ہے اور یہ سامنے کی بات ہے کہ طلاق کے نتیجے میں میاں بیوی کی علیحدگی کی وجہ سے بچوں کے لیے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے ماں یا باپ میں سے کس کے پاس جائیں گے؟ جب مرد اور عورت نیا نکاح کرلیں گے تو سوتیلے ماں باپ کے ہاں بچوں کی زندگیاں بالعموم خرابی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کو صحیح محبت اور سرپرستی نہیں ملتی جس کی وجہ سے ان کے دلوں سے محبت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جب ماں باپ آپس میں نہ نباہ سکے تو وہ کس کی شخصیت کو اپنے لیے نمونہ بنائیں۔ ایسے ہی حالات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بچوں کے اندر جرائم پیشگی کے رجحانات پرورش پاتے ہیں۔ اگر جدا ہونے والے مرد و زن کے ہاں اولاد نہ ہو تب بھی نئے نکاح کی صورت میں عام طور پر زندگی دونوں کے لیے تلخ ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ جب میاں بیوی کے درمیان نباہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو رہی ہو تو پھر اُن کو غیرفطری طور پر جوڑ کر رکھنے سے اور طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں، جب کہ نکاح کے مقاصد پورے نہ ہو رہے ہوں، مرد و زن کی علیحدگی ہی صحیح حل ہوتی ہے اور اس حکمت کے تحت طلاق کو جائز رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا حکیمانہ قانون دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ جن قوموں کے ہاں طلاق کو عملاً ایک گناہ اور جرم قرار دے دیا گیا ہے وہاں خانگی زندگی جس طرح کے مفاسد کا شکار ہوئی ہے اس کا مشاہدہ آج کل کے یورپی اور برعظیم کے ہندی معاشرے میں کیا جاسکتا ہے۔ (جاری)

© rasailojaraid.com